TAHREER
Journal of Languages & Literature
eISSN:3007-2085
pISSN:3007-2077
تحریر
Vol. 3 No. 4 (2025) HEC approved in the **Y** category.

Feminine Consciousness and Socio-Political Discourse in the Novels of Naheed Sultan Mirza

ناہید سلطان مرزا کے ناولوں میں نسائی شعور اور سماجی و سیاسی بیانیہ

Armana Ashraf[1*], Imran Zahid[2]
[1]M.Phil. Scholar, [2]Lecturer, Dept. of Urdu, Riphah International University, Faisalabad.
***Correspondence:** maanhanzumaanhanzu@gmail.com
DOI: https://doi.org/10.65827/tahreer.v3i4.73

Abstract
This research article explores the thematic depth of Naheed Sultan Mirza's novels, focusing on her portrayal of feminine consciousness as a symbol of civilizational survival and resistance. Unlike traditional narratives that depict women as passive victims, Mirza reimagines them as active agents of change and historical witnesses.
Through a critical analysis of her major works, including *Dasht-e-Khwab ke Musafir*, *Ankhain Aahan Posh*, *Road to Mohenjo-Daro*, *Taqseem se Taqseem Tak*, and *Thar ki Sargoshi*, the study highlights how Mirza bridges the gap between personal grief and collective history. In *Dasht-e-Khwab ke Musafir*, the character of Scheherazade symbolises creative resistance, while in *Ankhain Aahan Posh*, Zarin Taj represents an intellectual rebellion against political tyranny and religious authoritarianism.
The author effectively critiques the dual exploitation of women across different geographies, from the historical landscapes of Iran and Sindh to the modern crises in Kabul and Karachi. By integrating themes of existential anxiety, national identity, and cultural aesthetics, Mirza's work transcends domestic boundaries. The study concludes that Mirza's literature establishes the woman not just as a domestic figure, but as an "iron-clad" guardian of history and a vital force for any future social or civilizational revolution.

Keywords:
Naheed Sultan Mirza, Urdu Novel, Feminine Consciousness, Socio-Political Resistance, Historical and Civilizational Awareness, Existential Anxiety, Gender Identity.

Received: 18-11-2025 **Accepted:** 31-12-2025 **Online:** 15-01-2026

This article is licensed under the Creative Commons Attribution (CC BY 4.0).
Free use, distribution, and reproduction permitted with proper citation of the original work.
© The Author(s).

ناہید سلطان مرزا کے ناول سماجی، لسانی اور نسائی مسائل کا احاطہ کرتے ہیں۔ان کے نمایاں موضوعات میں تہذیبی و تاریخی شعور، نسائی شعور، مشرق و مغرب کے بیانیے میں عورت کی اجتماعی شناخت، طاقت اور عورت کی مزاحمت، عورت کا علامتی کردار، عورت کا شعور

ذات، قربانی اور عورت، وجودی اضطراب، سیاست، جنگ اور سازشیں، انسان کی آزادی، سماجی بیداری اور شعوری تبدیلی، قومی شناخت، جذبات واحساسات، طبقاتی خلیج اور معاشی استحصال، انسان دوستی، ثقافت، جمالیات جیسے موضوعات شامل ہیں۔

ناہید سلطان مرزا کے ناول "دشت خواب کے مسافر" کا ایک مرکزی فکری پہلو عورت کا تصور اور نسائی شعور ہے۔ ناہید سلطان مرزا نے عورت کو محض صنف نازک یا مظلوم کردار کے طور پر پیش نہیں کیا بلکہ اسے تہذیب، تاریخ اور بقاء کی اصل نمائندہ کے طور پر سامنے لایا ہے۔ "شہر زاد" اس پورے ناول میں ایک بنیادی علامت ہے جو عورتوں کی صدیوں پرانی جدوجہد، داستان گوئی اور تخلیقی قوت کا استعارہ ہے۔ وہ ایک ایسا کردار ہے جو ظلم وجبر کے اندھیروں میں بھی روشنی کی تلاش میں کہانیاں سناتی ہے تاکہ زندگی قائم رہے۔ مصنفہ نے عورت کو محض ایک شخصی کردار نہیں بلکہ ایک اجتماعی اور تہذیبی وجود کے طور پر متعارف کرایا ہے۔ اس سے عورت کی اہمیت نسائی شعور کی وسعت دونوں سامنے آتی ہیں۔ اس تناظر میں صغریٰ مہدی لکھتی ہیں کہ :

> "بہ حیثیت قانون دان، اداکار، آرٹسٹ، موسیقار عورتوں نے ممتاز مقام حاصل کیا ہے۔ وہ ڈاکٹر ہیں، اسٹیج ڈائریکٹر ہیں، پولیس میں ہیں، انجینئر ہیں، ائیر ہوسٹس ہیں، کم ہی سہی مگر حکومت میں ہیں۔ وہ اقوام متحدہ کے اجلاس میں شرکت کرتی ہیں۔ بین الاقوامی کانفرنس اور غیر ممالک کو جانے والی ثقافتی وجود کی سربراہی کرتی ہیں اور عورت کے ساتھ جو ناانصافی ہوتی ہے، ظلم وتشدد ہوتا ہے۔ اس کے خلاف عورتیں آواز اٹھاتی ہیں"۔(1)

ناول میں عورت کو مختلف رویوں میں دکھایا گیا ہے۔ کبھی وہ زینب کے روپ میں سامنے آتی ہے جو کربلا کی عظیم قربانی کی علامت ہے۔ کبھی لیلیٰ کے طور پر جو محبت اور وفا کی روایت کا تسلسل ہے، کبھی مریم کے روپ میں جو صبر اور ایثار کی علامت ہیں اور کبھی گیتا کے طور پر۔ یہ سب مشرقی عورت کے مختلف عکس ہیں، جو مختلف تہذیبوں اور ادوار میں ایک ہی دکھ سہتی ہے اور ایک ہی خواب دیکھتی ہے۔ یہ تنوع اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ عورت کی حیثیت ایک خطے یا دور تک محدود نہیں بلکہ وہ پوری انسانیت کی مشترکہ آواز ہے۔ نسائی شعور کے اس اظہار میں سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ عورت محض ظلم سہنے والی نہیں بلکہ اس ظلم کو فکری سطح پر چیلنج کرنے والی ہے۔ شہر زاد کا کردار محض داستان گو نہیں بلکہ اپنے مکالمے سے ظلم کو بے نقاب کرنے والی ایک باشعور شخصیت ہے۔ اس کی کہانیاں دراصل مزاحمت کا استعارہ ہیں جو قاری کو اس سوال پر مجبور کرتی ہیں کہ آخر عورت ہمیشہ تاریخ کے حاشیے پر کیوں رکھی گئی؟ بقول ڈاکٹر شارقہ شفقتین :

> "ادیبوں نے سماج کی بہتری کے لیے خواتین کے مسائل کو اپنا موضوع خاص بنایا اور قصے کہانیوں کے ذریعے ان کے اخلاق، تہذیب وتمدن اور طور طریقوں کو بہتر بنانے کی کوشش کی"۔(2)

ناہید سلطان مرزا نے عورت کو مرکز میں لا کر اس بیانیے کو توڑا ہے کہ عورت کی شناخت صرف خاندان یا مرد سے منسلک ہے۔ اس ناول میں عورت اپنی خود مختار شناخت اور تخلیقی قوت کے ساتھ موجود ہے۔ ایک پہلو یہ بھی ہے کہ عورت کا کرب صرف ذاتی یا گھریلو نہیں بلکہ اجتماعی اور تہذیبی کرب ہے۔ جب مصنفہ شہر زاد کو جنگ، سامراجی سازشوں اور تہذیبی زوال کے مقابل کھڑا کرتی ہیں تو یہ

دراصل اس بات کی نشاندہی ہے کہ عورت اپنے عہد کے تمام مسائل کی عینی شاہد بھی ہے اور ان پر تبصرہ کرنے کی اہلیت بھی رکھتی ہے۔اس طرح عورت کو محض ایک گھریلو کردار سے نکال کر ایک اجتماعی اور سیاسی علامت بنادیا گیا ہے۔ یہ ایک بڑی فکری کامیابی ہے کیونکہ اس کے ذریعے عورت کو تاریخ کے مرکزی دھارے میں لا کر اس کی حیثیت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ڈاکٹر شارقہ شفتین مزید لکھتی ہیں کہ :

"آج کی ہندوستانی خواتین سماجی و سیاسی سطح پر مکمل طور پر آزاد اور ترقی کی راہ پر پورے طریقے سے گامزن ہیں۔ کوئی شعبہ اور کوئی پیشہ ایسا نہیں ہے جہاں جنسی اختلاف کی بناپر عورتوں کی نمائندگی سے آنکھیں چرائی جارہی ہیں۔(3)

ناول "دشت خواب کے مسافر" عورت کو ایک نیا اور بامعنی مقام عطا کرتا ہے۔ یہ ناول نہ صرف عورت کی جدوجہد کو اجاگر کرتا ہے بلکہ نسائی شعور کو ایک فکری اور تخلیقی قوت کے طور پر سامنے لاتا ہے۔ عورت کے کرداروں کے ذریعے مصنفہ نے یہ واضح کیا ہے کہ معاشرتی جبر اور سیاسی استحصال کے باوجود عورت اپنی شناخت قائم کرنے کی اہل ہے۔ وہ مظلوم بھی ہے، مزاحمت کار بھی اور مستقبل کے خواب دیکھنے والی بھی۔ یہی نسائی شعور اس ناول کی روح ہے جو اسے اردو ادب میں ایک منفرد اور اہم تخلیق بنادیتا ہے۔

"دشت خواب کے مسافر" کا ایک اور نمایاں پہلو عورت کی آواز کو ایک مضبوط اور توانا حیثیت دینا ہے۔ ناہید سلطان مرزا نے شہرزاد کو محض ایک قدیم داستان گو کے طور پر نہیں بلکہ ایک جدید نسائی شعور کی نمائندہ کے طور پر زندہ کیا ہے۔ شہرزاد کی موجودگی اس بات کا اعلان ہے کہ عورت صدیوں سے اپنی شناخت اور بقا کے لیے جدوجہد کرتی آئی ہے۔ڈاکٹر ایس کے جبیں اس تناظر میں لکھتی ہیں :

"اکثر ناول نگاروں نے یہ محسوس کیا ہے کہ ہندوستان کی آزادی اور سماجی بہتری کا خواب زندگی کے ایک پہیے یعنی مرد کے ساتھ ساتھ دوسرے پہیے یعنی عورت کی طرف بھی توجہ نہ دی جائے"۔(4)

مصنفہ نے اسی صورتحال کو مد نظر رکھتے ہوئے عورت کے اس کرب کو بیان کیا ہے بلکہ عورت کو قوت اور استقامت کا استعارہ بنا کر پیش کیا ہے۔اس طرح ناول نسائی شعور کی ایک ایسی تعبیر بن جاتا ہے جس میں عورت اپنی کہانی خود لکھتی ہے اور اپنی بقا کا جواز خود پیدا کرتی ہے۔ ناول میں عورت کے کردار صرف علامتی یا حاشیاتی نہیں بلکہ مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ شہرزاد، سحر، زینب، لیلیٰ، زینت، مریم اور گیتا جیسے کردار اس بات کی علامت ہیں کہ عورت کے مختلف روپ اور تجربات تاریخ، سیاست اور سماج کے دھارے میں کس طرح جڑے ہوئے ہیں۔ان تمام کرداروں کے ذریعے دکھایا گیا ہے کہ عورت صرف ظلم کا شکار نہیں بلکہ تبدیلی کی طاقت بھی ہے۔اس کی مزاحمت اور احتجاج نہ صرف ذاتی ہے بلکہ اجتماعی بھی، جو پورے خطے کے شعور کو جھنجھوڑ دیتی ہے۔اس طرح ناہید سلطان مرزا نے عورت کو ایک فعال کردار کے طور پر پیش کیا ہے۔ یہ عورت اپنی شناخت کے لیے مردانہ معاشرے سے ٹکرا بھی سکتی ہے اور اپنی بقا کے لیے نئی راہیں تراشتی ہے۔ بقول صغریٰ مہدی :

"عورتوں کو خود اپنی مرضی اور خوشی سے زندگی گزارنے کا حق ہونا چاہیے اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہ انھیں اس کا حق بھی ملنا چاہیے کہ مردوں کے ساتھ اسی قسم کا سلوک کریں جس قسم کا سلوک وہ عورتوں کے ساتھ کرتے آئے ہیں"۔(5)

اس ناول کی عورت ہر نئے دور میں نئے سوال اٹھاتی ہے، چاہے وہ بغداد کی اینٹوں میں چھپی کہانی ہو یا کراچی و کابل کے جلتے ہوئے مناظر۔اس شعور میں ایک ایسی گہرائی ہے جو عورت کو محض سماجی یا گھریلو کردار سے بلند کر کے تہذیبی اور فکری تسلسل کی علامت بناتی ہے۔

یہ شعور ناول میں مرد کرداروں سے بھی مکالمہ کرتا ہے۔ مصطفیٰ کے ساتھ عورت کا تعلق محبت اور سچائی پر مبنی ہے لیکن بیرونی سازشوں اور داخلی کمزوریوں کے سب بار بار شکست کھا جاتا ہے۔اس کے برعکس ولیم جیسے کردار عورت کے وجود کو صرف ہمدردی سے دیکھتے ہیں۔ مگر ان کی پالیسیوں میں وہی سامراجی رویے کارفرما رہتے ہیں۔جو عورت کی اصل آزادی کو روکتے ہیں۔اس مکالمے نے عورت کے کرب کو اور زیادہ نمایاں کر دیا ہے۔مصنفہ نے اس مکالمے کے ذریعے یہ دکھایا ہے کہ عورت کی اصل آزادی اس وقت ممکن ہو گی جب وہ اپنی کہانی خود بیان کرے، صغریٰ مہدی لکھتی ہیں کہ :

"اس تحریک نسواں میں ایک طرف وہ لوگ تھے جنھوں نے عملی طور پر اسکول و کالج قائم کر کے کانفرنسیں بلا کر عورتوں کے رسالے نکال کر، عورتوں کی تنظیمیں قائم کر کے اس تحریک کو آگے بڑھایا۔دوسری طرف اردو ناولوں کے ذریعے عورتوں کی تعلیم، ان کے حقوق اور زمانے کے لحاظ سے ان کی آزادی کی بات کی"۔(6)

اس طرح ناہید سلطان مرزا نے جس عورت کا تصور پیش کیا ہے وہ اپنے اور اپنی تقدیر کے فیصلے خود کرتی ہے۔

ناول "آنکھیں آہن پوش" کی فکری اساس میں سب سے نمایاں عنصر تاریخ اور تہذیب کے تناظر میں عورت کی شعوری بیداری کا بیانیہ ہے۔ مصنفہ نے ایران کی ہزاروں سالہ تہذیبی ارتقا اور انقلابی تاریخ کو پس منظر میں رکھ کر عورت کی داخلی اور خارجی کشمکش کو نہایت مؤثر پیرایۂ اظہار میں پیش کیا ہے۔تاریخ یہاں محض روایتی حوالہ نہیں بلکہ ایک زندہ، متحرک کردار ہے جو زریں تاج کی زندگی کے ہر موڑ پر اثرانداز ہوتا ہے۔اس تناظر میں انور پاشا یوں لکھتے ہیں :

"ناول ایک ایسی صنف ہے جو اپنے اندر نہ صرف انسان کے حال، اس کے ماضی اور اس کی تاریخ و تہذیب کی جامع اور مکمل ترجمانی کی اہلیت رکھتی ہے۔ بلکہ مستقبل کے امکانات و عزائم کو بھی اپنی گرفت میں لانے کی بھرپور قوت رکھتی ہے"۔(7)

زریں تاج کی شخصیت دراصل ایرانی عورت کی اجتماعی علامت ہے، جو سینکڑوں برس کے ثقافتی جبر اور معاشرتی تنزل کے خلاف کھڑی ہوتی ہے۔ وہ "قرۃ العین" کی یاد دلاتی ہے۔ جو ایران کی ابتدائی نسوانی مزاحمت کی تاریخ میں ایک معتبر نام ہے۔ یہی تاریخی تسلسل ہمیں زریں تاج میں دکھائی دیتا ہے۔ جسے مصنفہ نے نہ صرف سماجی شعور سے آراستہ دکھایا بلکہ اس میں ایک فکری بغاوت کی صلاحیت بھی

رکھ دی ہے، بقول ڈاکٹر اسلم آزاد:

"ناول کے ذریعے زندگی کے معاملات و مسائل کی عکاسی ہوتی ہے اور چونکہ زندگی خود ایک تغیر پذیر قوت ہے اس لیے فطری طور پر زندگی کے تغیرات ناول کے فنی مزاج میں بھی تغیرات برپا کرتے رہتے ہیں"۔(8)

اس ناول میں زریں تاج کے ذریعے ایرانی تاریخ کی عکاسی کی گئی ہے۔ تاریخ کا جو چہرہ ہمیں ایران کے حوالے سے دکھایا جاتا رہا ہے، وہ اکثر مردانہ بیانیے سے متاثر ہوتا ہے۔ ناہید سلطان مرزا اس تاثر کو توڑ کر ایک تاریخ رقم کرتی ہیں، جس میں عورت نہ صرف مشاہدہ کرتی ہے بلکہ فیصلہ ساز بھی بن کر ابھرتی ہے۔

اس ناول کی سب سے رفاقت اور فکری جیت یہی ہے کہ یہ ماضی، حال اور مستقبل کو ایک مربوط انسانی شعور کی زنجیر میں پروتا ہے۔ یہاں عورت کو تاریخ کا مغلوب کردار نہیں بلکہ تاریخ کی آہن پوش محافظ کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ مصنفہ کا اصرار ہے کہ جب تک عورت پہچاننے کے قابل نہیں ہوگی، وہ کسی بھی انقلاب، تبدیلی یا اصلاح کی مکمل نمائندہ نہیں بن سکتی۔ یہی فکری محور ناول کو عام بیانیہ نسوانی ادب سے بلند کر کے عالمی سطح کی ایک فکری تخلیق بناتا ہے۔

زریں تاج صرف ایک کردار نہیں بلکہ وہ ایک ایسی علامت ہے جو ایران اور پاکستان سمیت مشرقی معاشروں میں بسنے والی ہر باشعور عورت کی ترجمان بن کر سامنے آتی ہے۔ خواتین کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے نیلم فرزانہ یوں لکھتی ہیں:

"نذیر احمد اور ان کے بعد راشد الخیری نے معاشرے کی چند بنیادی خامیوں کی شناخت کی۔ انھوں نے محسوس کیا کہ جب تک معاشرے کے ایک اہم عضو یعنی طبقۂ نسواں کی اصلاح نہ کی جائے بہتر معاشرے کا تصور محال ہے۔ مولوی نذیر احمد نے معاشرے کی اصلاح کے لیے ضروری سمجھا کہ لڑکیوں کو بھی تعلیم و تربیت سے آشنا کیا جائے"۔(9)

اس ناول میں مصنفہ نے زریں تاج کی شخصیت کو کئی پرتوں میں بیان کیا ہے۔ وہ بیٹی بھی ہے، ماں بھی ہے اور بغاوت کی مجسم تصویر بھی وہ اپنی نانی اور ماں سے جداگانہ فکری شناخت رکھتی ہے۔ تہمینہ آزادی کی حدوں کو توڑنے والی لڑکی ہے۔ مہر تاج بے یقینی اور کمزوری کی علامت، لیکن زریں تاج دونوں انتہاؤں کے درمیان توازن کی وہ قوت ہے جو سماجی تبدیلی کا محرک بن سکتی ہے۔ زریں تاج کی مزاحمت ایک ایسا عمل ہے جو محض ذاتی یا جذباتی ردعمل نہیں۔ بلکہ ایک بیدار فکری عمل ہے جس کی بنیاد شعور، تعلیم اور مشاہدہ ہے۔ زریں تاج کی نسائی خود آگاہی میں میڈیا، تاریخ، مذہب اور سیاست سبھی کردار ادا کرتے ہیں۔ وہ ریحانہ جباری اور فرخندہ کے المیوں کو صرف محسوس نہیں کرتی، بلکہ ان سے سبق سیکھ کر ایک مضبوط عورت میں ڈھلتی ہے۔ نیلم فرزانہ لکھتی ہیں کہ:

"سماجی تقاضوں کو بنیاد بنا کر لکھے جانے والے ناولوں میں عوامی دلچسپی اور تفریح کے لوازمات کے ساتھ ساتھ سماجی اور اخلاقی اصولوں کی پاسداری کا رویہ واضح ہوتا ہے ان ناولوں کا بنیادی مقصد ذاتی جذبات یا ذاتی تحفظات پر سماجی اور اخلاقی اصولوں کی اہمیت اور برتری ثابت کرنا ہوتا ہے۔"(10)

زریں تاج کا نسائی شعور انفرادی سطح سے بلند ہو کر اجتماعی بن جاتا ہے۔ وہ اس بات کو شدت سے محسوس کرتی ہے کہ اگر عورت اپنی آواز بلند نہ کرے تو وہ جسمانی نہیں فکری غلامی کا شکار رہے گی۔ یہی احساس اسے آہن پوش بناتا ہے۔ وہ ایک ایسی عورت بن جاتی ہے جو صرف سوال ہی نہیں کرتی بلکہ جواب دینے کا حوصلہ بھی رکھتی ہے۔

زریں تاج کی مزاحمت روایتی شورش یا جذباتی احتجاج نہیں، بلکہ فکری اور علامتی سطح پر ایک مکمل بیانیہ ہے اس کے اقدامات اس کے سوالات اور اس کے رد عمل ایک ایسی فکری تحریک کی بنیاد رکھتے ہیں جو صرف ایران ہی نہیں، بلکہ ہر اس معاشرے میں صدائیں بلند کرتی ہے جہاں عورت کو دیوار کے پیچھے رکھ کر خاموشی کا عادی بنا دیا جاتا ہے۔ اس تناظر میں ڈاکٹر شارقہ شفتین یوں لکھتی ہیں:

> "ہندوستانی عورت صدیوں سے مرد کی نگراں اور سماجی اعتبار سے دبی کچلی ہوئی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ ہندوستان میں رائج مختلف مذاہب اور اس کے رہنماؤں اور رہبروں نے عورت کا رتبہ مرد سے بہت ہی کمتر قرار دیا ہے"۔(11)

یہی وہ علامتی گہرائی ہے جس کے باعث زریں تاج کا کردار محض ایک ادبی تخلیق نہیں، بلکہ نسائی مزاحمت کی علامت کامل بن کر ابھرتا ہے۔

ناول "آنکھیں آہن پوش" کی ایک فکری جہت سیاسی جبر اور مذہبی آمریت کے پس منظر میں انسان کی انفرادی و اجتماعی آزادی کا سوال ہے مصنفہ نے ایران کی سیاسی تاریخ کو نہایت باریک بینی سے کھنگالا ہے اور ایک ایسی فضا تشکیل دی ہے جہاں ہر فرد بالخصوص عورت ایک گھٹن زدہ ماحول میں سانس لینے پر مجبور ہے۔ بادشاہی نظام کی شکست اور ملائیت کے تسلط کے بعد جو خلا پیدا ہوا وہ آزادی کے بجائے مزید غلامی کا پیش خیمہ بن گیا۔ اس مذہبی آمریت نے مرد کو ضمیر، اظہار اور انتخاب کی آزادی سے محروم کر دیا۔

زریں تاج کی کہانی ایک مرد کی داخلی مزاحمت کے ساتھ ساتھ اس اجتماعی سچائی کی ترجمان بھی ہے کہ کوئی بھی مذہبی یا سیاسی نظام جب اخلاقی جواز سے خالی ہو جائے تو وہ ظلم کی بدترین صورت اختیار کر لیتا ہے۔ زریں تاج نہ صرف اس جبر کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتی ہے بلکہ اس جبر کو نسائی توہین تصور کرتی ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ جب عورت کی آزادی پر قدغن لگتی ہے تو یہ صرف ایک صنف کی محکومی نہیں، پوری انسانیت کے شعور کا انکار ہوتا ہے۔ اس کی مزاحمت دراصل انسانی شرف اور آزادی کے لیے ایک اعلان ہے۔ صغریٰ مہدی لکھتی ہیں کہ:

> "کوڈر کا لال" جو والدہ افضل علی کے نام سے شائع ہوئی تھی۔۔۔ اس میں مصنفہ نے اپنے ایک کردار ثریا جبیں سے صاف صاف کہلوایا ہے کہ اگر معاشرے میں عورتیں پیچھے ہیں تو اس لیے کہ "علم کا دروازہ ہم پر بند کر دیا گیا ہے۔۔۔ ہنر کو ہمارے لیے معیوب سمجھا گیا۔ صرف آپ لوگوں کی عنایت و مہربانی ہماری زندگی کا ذریعہ ہے۔ ہم یہ

نہیں کہتے کہ ہم کو پردے سے آزاد کریں۔ نہیں نہیں پردہ ہماری صفت ہے۔ ہمیں دل سے عزیز ہے۔ مگر ہمارے حقوق ہم کو دو۔ خدا کی دی ہوئی آزادی سے ہمیں نہ روکو۔۔ پردے ہی میں ہم بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں"۔(12)

مصنفہ کی فکری گہرائی اس وقت مزید نمایاں ہوتی ہے جب وہ اس جبر کو صرف ایرانی تناظر تک محدود نہیں رکھتیں، بلکہ اس کی مماثلت پاکستانی معاشرت، عرب دنیا اور افغانستان جیسے خطوں سے جوڑ کر دکھاتی ہیں اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک عورت پر جبر کوئی جغرافیائی مسئلہ نہیں، بلکہ ایک بین الاقوامی تہذیبی بحران ہے۔ یہی فکری وسعت "آنکھیں آہن پوش" کو محض ایرانی ناول نہ رہنے دے کر ایک عالمی فکری احتجاج کا روپ دیتی ہے۔

"آنکھیں آہن پوش" ایک ایسا فکری آئینہ ہے جو مشرق اور مغرب کی عورت کے بارے میں تشکیل دیے گئے بیانیوں کو ایک ساتھ رکھ کر قاری کو ان کے تضادات، مماثلتوں اور گہرے اثرات پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ ناہید سلطان مرزا نے ناول کے مختلف مناظر میں یہ واضح کیا ہے کہ چاہے مشرقی معاشرت ہو یا مغربی تہذیب، عورت کو ایک مخصوص فریم میں قید رکھنے کی کوشش کی گئی ہے اور اس کی انفرادی شناخت کو اکثر اجتماعی مفادات، ثقافتی اصولوں یا سیاسی ایجنڈوں کے تابع کر دیا گیا ہے۔ ڈاکٹر رقیہ بانو لکھتی ہیں:

"خواتین کی کشمکش کو ناول کے ذریعہ بڑی آسانی سے پیش کیا گیا کیونکہ ناول سے پہلے جو بھی ادب تھا اس میں عورت موضوع تو رہی لیکن وہ صرف تفریح کا ذریعہ تھی۔ اس کو حسن کی دیوی تسلیم کیا گیا، محبوبہ کی حیثیت سے سامنے آئی، خاص طور سے طلسمی قصوں میں ان کی حیثیت باوقار رہی لیکن حقیقی دنیا میں کنیز سے بہتر کبھی نہ ہو سکی"۔(13)

زریں تاج کے کردار کے ذریعے مصنفہ نے مشرق اور مغرب کے نسائی بیانیوں کے درمیان ایک تنقیدی پل کا کام کیا ہے جو ان دو تہذیبوں کی ان سچائیوں سے پردہ اٹھاتا ہے جنھیں عموماً نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ مشرقی بیانیہ خصوصاً ایران جیسے مذہبی اور روایتی معاشروں میں عورت کو حیاء، قربانی اور اطاعت کی علامت بنا کر پیش کرتا ہے۔ یہاں عورت کی فطری خواہشات، آزادی اور خود اختیاری کو ثقافتی یا مذہبی اصولوں کے تحت دبا دیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر عظمیٰ فرمان فاروقی لکھتی ہیں کہ:

"وقت کے ساتھ ساتھ سامراجی خواتین پدرسری معاشرے کے ساتھ مل کر ان صحت مند مثبت اقدار کو مٹاتی چلی گئیں، شعوری یا لاشعوری طور پر عورت کی ہر اس کوشش کو دبا دیا جاتا رہا۔ جس کے ذریعے وہ اپنی کھوئی ہوئی شان و شوکت حاصل کر سکتی تھی"۔(14)

زریں تاج جب اپنے سماج کے خلاف آواز بلند کرتی ہے تو وہ اسی بیانیے کے خلاف ایک فکری بغاوت کی علامت بن جاتی ہے۔ وہ ایک ایسی عورت ہے جو نہ صرف اپنی شناخت کی تلاش میں ہے بلکہ اس شناخت کو منوانے کا حوصلہ بھی رکھتی ہے۔ اس کا المیہ یہ ہے کہ اس کا سماج اسے اس وقت تک قبول کرنے کو تیار نہیں جب تک وہ روایتی عورت کے سانچے میں نہ ڈھل جائے۔

دوسری طرف مغرب کا بیانیہ بظاہر عورت کو آزادی، مساوات اور انفرادیت کا پیامبر دکھاتا ہے۔ لیکن ناہید سلطان مرزا نے بڑی باریک بینی سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مغرب میں بھی عورت کو اکثر صارفیت، سرمایہ داری اور جنسی اظہار کے تناظر میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کی آزادی بھی ایک مخصوص معاشی نظام کے دائرے میں محدود ہوتی ہے۔ زریں تاج جب ایران سے امریکہ کے سفر پر نکلتی ہے تو اسے ایک مختلف دنیا ضرور ملتی ہے، لیکن اس دنیا میں بھی عورت کو مکمل تحفظ، احترام اور خود اعتمادی حاصل نہیں۔ یہ سفر ہمیں بتاتا ہے کہ مشرق میں عورت ظلم کی شکار ہے تو مغرب میں استحصال کا شکار ہے۔ ڈاکٹر عظمیٰ فرمان فاروقی اس تناظر میں مزید لکھتی ہیں:

"تاہم مغربی نسائیت، ایشیا، بالخصوص جنوبی ایشیا کی نسائیت کی تحریک یا فیمنزم سے متصل ہوتے ہوئے بھی کافی مختلف ہے"۔(15)

ناول کے فکری حسن کا یہ پہلو اس وقت مزید نکھر کر سامنے آتا ہے جب زریں تاج ان دونوں نظاموں کے تجربات کو اپنے اندر جذب کرتی ہے اور پھر ایک نئے نسائی شعور کے ساتھ ابھرتی ہے، جو نہ صرف تنقیدی ہے بلکہ تعمیری بھی ہے، وہ نہ مشرق کو مکمل رد کرتی ہے اور نہ مغرب کو مکمل قبول، بلکہ ایک ایسے بیانیے کی تشکیل کرتی ہے جو عورت کو اس کی اجتماعی شناخت کے ساتھ ساتھ انفرادی وقار بھی دیتا ہے۔ زریں تاج کے ذریعے مصنفہ نے اس پیچیدہ سوال کو چھیڑا ہے کہ کیا عورت کی آزادی اور شناخت کسی مخصوص جغرافیہ یا تہذیب کی مرہونِ منت ہے؟ یا وہ عالمی انسانی حق ہے جو ہر عورت کو حاصل ہونا چاہیے، قطع نظر اس کے کہ وہ کہاں پیدا ہوئی یا کس تہذیب سے وابستہ ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر عظمیٰ فرمان یوں گویا ہوتی ہیں۔

"ایک ہی عہد کے دو نقاد اپنی تنقید کے اعتبار سے دو الگ الگ ادوار کے نقاد قرار دیے جاسکتے ہیں۔ یا پھر ایک ہی نقاد کی دو تحریریں، دو علیحدہ ادوار کی نمائندہ ہو سکتی ہیں۔"(16)

یہی وہ فکری نقطہ ءنظر ہے جس کی بدولت "آنکھیں آہن پوش" محض ایک نسائی ناول نہ رہ کر ایک تہذیبی مکالمہ بن جاتا ہے، ایک ایسا مکالمہ جو نہ صرف عورت کے مقام کو اجاگر کرتا ہے بلکہ اس کی جدوجہد کو ایک عالمی تناظر میں سمجھنے کی دعوت دیتا ہے۔ یہ ناول اپنی ساخت میں صرف بیانیہ یا محض داستانی عمل نہیں، بلکہ یہ ایک ایسا متنی تجربہ ہے، جہاں تاریخ اور معاشرہ ایک تخلیقی دھارے میں بہتے ہیں۔ ناہید سلطان مرزا نے جس فکری بصیرت کے ساتھ قدیم ایرانی تاریخ، شخصیات، انقلابی نظریات اور مذہبی تبدیلیوں کو حالیہ ایران کے سیاسی، سماجی اور نسوانی تناظر کے ساتھ جوڑا ہے، وہ ان کے فکری کمال اور تحقیقی پختگی کی دلیل ہے۔

ناول میں زریں تاج کی زندگی ایک ایسی علامت ہے جو قرونِ وسطیٰ کی قرۃ العین طاہرہ سے لے کر شیریں عبادی، ریحانہ جباری، زہرہ نور اور فرخندہ جیسے معاصر کرداروں تک کا سفر طے کرتی ہے۔ زریں تاج کا کردار ایسے تمام تاریخی اور معاصر نسوانی کرداروں کی روحانی اور نظریاتی نمائندگی کرتا ہے جو استبداد، تعصب اور سماجی جبر کے خلاف کھڑی ہے۔ بقول ڈاکٹر رقیہ بانو:

"دراصل مرد کو اپنی طاقت کا ہمیشہ غرور رہا ہے اور اسی بنا پر وہ اپنے آپ کو حاکم سمجھتا رہا اور صنف نازک پر اپنی طاقت اور ہمت کا رعب ڈالتا رہا۔"(17)

ناول کی بیانیہ ساخت میں جو بار بار حوالہ جات دیے گئے ہیں۔ وہ ہمیں باور کراتے ہیں کہ پاکستانی اور ایرانی عورت ایک ہی تانے بانے کی کڑیاں ہیں۔ دونوں معاشروں میں آزادی اور اظہار ذات کا مفہوم مشترک دکھائی دیتا ہے۔ مصنفہ کا تخلیقی وژن اس بات کا غماز ہے کہ تاریخ کو صرف یادگار کے طور پر نہیں بلکہ آئندہ کے فکری نظریاتی فیصلوں کی بنیاد بنانے کی ضرورت ہے۔ اس تناظر میں ڈاکٹر محمد شاکر یوں لکھتے ہیں:

"اردو کے تاریخی ناولوں میں۔۔۔ وہی ناول شہرت و مقبولیت کے حامل ہوتے ہیں جن میں مخصوص دور میں عوامی زندگی اور سیاسی حالات و واقعات کی آئینہ سامانی کے ساتھ ساتھ تاریخی اور ذاتی مسائل کی ہم آہنگی اور تاریخی واقعات سے افراد کی فطرتوں میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کے علاوہ اس خاص دور میں تاریخ کی عظیم شخصیات کے اثرات پیش کیے جاتے ہیں"۔(18)

مصنفہ عورت کی مزاحمت کو صرف جذباتی یا شخصی حد تک محدود نہیں رکھتیں بلکہ اسے فکری، نظریاتی اور علمی جہات عطا کرتی ہیں۔ زریں تاج کی علمی تربیت، اس کی سوچ کی گہرائی اور اس کا سماجی شعور اسے ایک عام عورت سے بلند مقام عطا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ریاستی قوتیں اس کی وجہ سے خائف ہیں کیونکہ وہ محض احتجاج نہیں نظریاتی بغاوت کی علامت بن چکی ہے۔ ناول میں جگہ جگہ ایسے مناظر دکھائے گئے ہیں جہاں عورت کو خاموش رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے، مگر وہ خاموشی احتجاج بن کر ابھرتی ہے۔

ناول "آنکھیں آہن پوش" کا ایک مرکزی فکری پہلو وجودی اضطراب ہے۔ وہ اضطراب جو انسان کو محض جینے پر مجبور نہیں کرتا بلکہ جینے کے معانی تلاش کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ زریں تاج کے کردار میں یہی اضطراب بیدار ہو کر بغاوت، سوال اور جستجو کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ وہ عورت جو تہذیبی، مذہبی اور خاندانی پابندیوں کے بیچ پروان چڑھتی ہے، ایک دن سوال کرتی ہے کہ میں کون ہوں؟ مجھے کیا چاہیے؟ اور میں کب تک چپ رہوں؟ یہی سوالات ناول کے فکری ڈھانچے کو تشکیل دیتے ہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر رقیہ بانو یوں لکھتی ہیں:

"سماجی زندگی کی تشکیل اور نشوونما میں عورت اور مرد کے اس باہمی امداد واشتراک میں عورت کی کیا حیثیت، کیا قدرومنزلت رہی ہے۔ یہ مسئلہ ہمیشہ بحث کا موضوع رہا ہے۔"(19)

یہ وجودی اضطراب میں تبدیل ہوتا ہے۔ ناول کے دیگر کردار، زریں تاج کی فکر کے زیرِ اثر آ کر سماجی بیداری کے مراحل سے گزرتے ہیں۔ وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ظلم کو برداشت کرنا، خاموشی اختیار کرنا اور سچ کو سچ نہ بولنا خود ایک جرم ہے۔ مصنفہ نے اس بیداری کو محض کسی انقلاب یا مظاہرے سے وابستہ نہیں کیا بلکہ اسے ایک تدریجی ذہنی تبدیلی کے طور پر دکھایا ہے۔ جو کتاب، مکالمہ، مطالعہ اور تجربے کے ذریعے جنم لیتی ہے۔ شعوری تبدیلی کا عمل ناول میں بار بار ابھرتا ہے۔ ڈاکٹر رقیہ بانو مزید لکھتی ہیں کہ:

"مسلم خواتین کی حیثیت ہر ملک میں مختلف تھیں ترکی میں عورت کو بڑی حد تک آزاد رکھا گیا اسی طرح ایران میں بھی ان کی حالت نسبتاً بہتر تھی۔ شیراز کی عورتیں ہفتہ میں تین بار واعظ سننے کے لیے مسجد میں جمع ہوتی تھیں۔ پر ان کی خواتین پردے کی پابند تھیں لیکن انھیں ہر طرح کی آزادی حاصل تھی۔ مدینہ اور دیگر مقامات کی خواتین کے بارے بھی یہی کہا جاسکتا ہے۔ لیکن ہندوستان میں مسلم خواتین کے سلسلے میں قدیم ایرانی تصورات کو اہمیت دی گئی اور اسے کمتر رتبے کا حامل قرار دیا گیا"۔(20)

زریں تاج کا علم، اس کی مطالعہ پسندی اور اس کا فکری مکالمہ قاری کو باور کراتا ہے کہ آزادی صرف جسم کی نہیں بلکہ ذہن کی بھی ہوتی ہے۔ مصنفہ اس بات پر زور دیتی ہیں کہ عورت کی اصل آزادی تب ہی ممکن ہے جب وہ اپنے شعور کو بلند کرے۔ سوال کرنا سیکھے اور اپنے وجود کو تسلیم کروائے۔

ناول "روڈ ٹو موہنجوڈارو" میں عورت کا کردار محض ایک سماجی یا گھریلو دائرے تک محدود نہیں ہے بلکہ اسے تہذیبی اور علامتی معنی دیے گئے ہیں۔ مصنفہ نے عورت کو اس تہذیب کی بقا اور تسلسل کی بنیاد کے طور پر پیش کیا ہے۔ موہنجوڈارو کی قدیم تہذیب کا ذکر کرتے ہوئے وہ اس پہلو کو اجاگر کرتی ہیں کہ تہذیبیں صرف عمارتوں، شہروں اور معیشت سے قائم نہیں رہتیں بلکہ عورت کے وجود اور اس کے کردار سے ان کا تسلسل برقرار رہتا ہے۔ ناول میں فردوس کا کردار اسی علامت کی صورت میں ابھرتا ہے۔ جب وہ زخمی حالت میں بلال کو ملتی ہے تو دراصل وہ اس قوم اور تہذیب کے زخموں کی نمائندہ بن جاتی ہے۔ اس کی حالت زار اس بات کی علامت ہے کہ عورت کی پستی اور جبر داصل پوری تہذیب کی کمزوری ہے۔ اس ضمن میں فہمیدہ کبیر یوں لکھتی ہیں:

"ایسے ماحول میں عورتوں کو انگریزی پڑھانے پر زور دینا یقیناً جرات مندانہ اقدام تھا جہاں انگریزوں اور ان کی تہذیب سے لوگوں کو وحشت ہو اور مردوں کا عام خیال یہ ہو کہ لڑکیوں کو پڑھانا گویا ان کے ہاتھ میں اسلحہ دے کر اپنی حکومت کمزور کرنا ہے۔"(21)

یوں عورت کو ناول میں ایک ایسا استعارہ بنایا گیا ہے جو اجتماعی شناخت اور وجود کی بنیاد کو ظاہر کرتا ہے۔ عورت کی ذات ناول میں اس سوال کو جنم دیتی ہے کہ اگر عورت کو اس کی آزادی اور پہچان سے محروم کر دیا جائے تو پوری قوم اپنی آزادی اور وقار کھو دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فردوس کے کردار کو بلال کے ساتھ جوڑ کر پیش کیا گیا تاکہ قاری یہ محسوس کرے کہ مرد اور عورت دونوں کی جدوجہد ایک دوسرے سے جدا نہیں بلکہ ایک دوسرے کی تکمیل ہیں عورت کا کردار یہاں اس بات کی علامت ہے کہ معاشرتی توازن اس وقت قائم ہوتا ہے جب مرد اور عورت دونوں اپنی شناخت اور کردار کے ساتھ یکساں طور پر موجود ہوں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر عظمیٰ فرمان فاروقی لکھتی ہیں:

"اپنی دوسری کتاب Women: Myth & Real میں سائمن ڈی بوا نے عورت اور مرد کے روایتی تصور کو رد کر دیا۔ اس کا خیال ہے کہ مرد اپنی مردانگی اور عورت کو اپنی نسوانیت جتانے یا ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اس کے بجائے مرد اور عورت دونوں اپنی انسانیت ثابت کریں تو بہتر ہے"۔(22)

ناول میں عورت کی یہ حیثیت نہ صرف سماجی حقیقت ہے بلکہ ایک فکری پیغام بھی ہے کہ عورت کی جدوجہد دراصل تہذیبی بقا کی جدوجہد ہے۔ناول میں عورت کا علامتی کردار تاریخ کے تناظر میں بھی پیش کیا گیا ہے۔ موہنجوڈارو کی قدیم تہذیب کی دریافتوں میں جو مورتیاں اور نسوانی علامات ملی ہیں، وہ عورت کی مرکزیت کو ظاہر کرتی ہیں۔مصنفہ نے اس تاریخی حقیقت کو ناول کے بیانیے میں اس طرح سمویا ہے کہ عورت کا وجود ایک مسلسل روایت کے طور پر سامنے آتا ہے۔وہ صرف ایک فرد نہیں بلکہ تہذیب کے حافظے کی نمائندہ ہے۔اس کے ذریعے یہ پیغام ملتا ہے کہ عورت کی عزت و عظمت کو اگر نظرانداز کر دیا جائے تو قومیں اپنی بنیادوں سے کٹ جایا کرتی ہیں۔فردوس کے کردار کو اسی تسلسل میں دیکھیں تو وہ صرف بلال کی کہانی کا حصہ نہیں بلکہ پوری قوم کے وجود کی علامت ہے۔اسی طرح عورت کا کردار تاریخی شعور اور موجودہ دور کے مسائل کو جوڑنے والا پل بن جاتا ہے۔اس ضمن میں ڈاکٹر عظمیٰ فرمان فاروقی یوں لکھتی ہیں:

> "کیا عورت کا وجود قائم بالذات ہے یا اضافی؟ کیا صنف مخالف کی موجودگی سے ہی اس کے وجود کا تعین ممکن ہے؟ اور اگر تذکیر کے بغیر تانیث کا وجود نہیں تو پھر اس قاعدے کی رو سے تذکیر بھی اپنے وجود کے تعین کے لیے تانیث کی محتاج ہے"۔(23)

یوں عورت کے کردار کو ناول میں جذباتی اور نفسیاتی گہرائی دی گئی ہے۔فردوس محض ایک زخمی لڑکی نہیں بلکہ ایک ایسی ہستی ہے جس کے اندر پوری نسل کا درد اور کرب چھپا ہوا ہے۔اس کی خاموشی اور اس کا دکھ اس بات کی علامت ہے کہ قوم کی عورت اگر غیر محفوظ ہو تو قوم اپنی طاقت کھو دیتی ہے۔بلال جب فردوس کو دیکھتا ہے تو اسے اپنی ذات کے زخم بھی دکھائی دیتے ہیں۔اس سے یہ احساس اجاگر ہوتا ہے کہ عورت کا وجود صرف منفی یا گھریلو تعلق تک محدود نہیں بلکہ مرد کی شناخت،اس کے دکھ اور اس کی جدوجہد کی آئینہ دار ہے۔ناول میں عورت کا کردار اس لحاظ سے علامتی ہے کہ وہ مرد کی ذات اور پوری قوم کی آئینہ دار ہے یہی پہلو قاری کو سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ عورت کو صرف منفی وجود کے طور پر دیکھنے کے بجائے اسے ایک تہذیبی اور فکری علامت کے طور پر پہچانا جائے۔ڈاکٹر عظمیٰ فرمان فاروقی کے بقول:

> "ان سب حقائق کے ساتھ جو چیزیں اس خطے کی نسائیت کو ممتاز اور منفرد بناتی ہیں عورت اور سوسائٹی کا تعلق ہے۔"(24)

ناول میں عورت کا کردار اس بات کا اظہار ہے کہ عورت محض ایک صنف نہیں بلکہ ایک پوری تہذیب کی نمائندہ ہے۔فردوس کا وجود بھی غیر محفوظ ہے، مصنفہ نے اس کردار کے ذریعے یہ واضح کیا ہے کہ عورت کو محض ایک تابع اور محدود وجود کے طور پر دیکھنا دراصل اپنی تاریخ اور تہذیب سے غفلت برتنا ہے۔عورت کا وجود ماضی، حال اور مستقبل کو جوڑنے والی ایک زنجیر ہے جس کے بغیر کوئی بھی قوم اپنی شناخت قائم نہیں رکھ سکتی۔اس طرح عورت کا علامتی کردار ناول کے فکری ڈھانچے کو ایک نیا زاویہ دیتا ہے اور قاری کو مجبور کرتا ہے کہ وہ عورت کو محض منفی بنیاد پر نہیں بلکہ ایک مکمل تہذیبی استعارے کے طور پر سمجھے۔

ناول " تقسیم سے تقسیم تک " میں عورت کا کردار نہ صرف انفرادی ہے بلکہ اجتماعی تاریخ اور انسانی تجربات کے تناظر میں اس کی جدوجہد اوور شعور کو مرکزی حیثیت دی گئی ہے۔ ناہید سلطان مرزا نے اپنے کرداروں کے ذریعے دکھایا ہے کہ تاریخی اور سیاسی بحران کے دوران عورتیں کس طرح اپنے گھر، خاندان اور معاشرتی ذمہ داریوں کے پیچ پھنس جاتی ہیں اور کس طرح ان کی جدوجہد محض بقا تک محدود نہیں رہتی بلکہ شعوری و فکری سطح تک بھی پھیلتی ہے۔ اس ناول میں عورتیں نہ صرف متاثرہ کردار ہیں بلکہ وہ فعال کردار بھی ہیں جو اپنے حالات کو سمجھ کر ان پر قابو پانے کی کوشش کرتی ہیں۔ مصنفہ نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ تقسیم، فسادات اور جنگ کے حالات میں عورت کی زندگیوں میں پیدا ہونے والے تضادات اور چیلنجز نے انھیں ایک نیا شعور اور قوت فراہم کی جو معاشرتی اور سماجی تبدیلیوں میں بھی مؤثر ثابت ہوئی۔ بقول صغریٰ مہدی:

> " ناول کی ابتداء ہی سے اس کا خاص موضوں عورتیں اور سماج میں ان کی حیثیت تھی اور اردو ناول کے ابتدائی دور سے ہی عورتوں نے ناول لکھنے شروع کیے اور قصوں کی صورت میں عورت کے مسائل کو پیش کیا"۔ (25)

ناول میں عورتوں کے کرداروں کی تنقید عکاسی اس بات کو واضح کرتی ہے کہ تاریخی واقعات کا اثر ہر سطح پر پڑتا ہے، لیکن عورت اس کے پیچیدہ اثرات کو سب سے زیادہ محسوس کرتی ہے۔ ناہید سلطان مرزا نے اپنے کردار شمس، پری اور خدیجہ کے ذریعے دکھایا ہے کہ عورتیں محض واقعہ کی ناظر نہیں بلکہ تجربہ کار بھی ہیں، وہ اپنے خاندان کے تحفظ، اپنے بچوں کی پرورش اور اپنی ذاتی شناخت کے درمیان ایک مستقل کشمکش میں رہتی ہیں۔ اس جدوجہد میں وہ خود کو سیاسی اور معاشرتی انتشار کے خلاف ایک فعال قوت کے طور پر دیکھتی ہیں۔ ناول میں عورت کی جدوجہد صرف جسمانی یا معاشرتی نہیں بلکہ ذہنی اور جذباتی سطح پر بھی بیان کی گئی ہے جو کہ تاریخی واقعات کے انسانی اثرات کو نمایاں کرتی ہے۔ اس تناظر میں ڈاکٹر عقیلہ جاوید یوں لکھتی ہیں:

> " عورت تصور اور روایات میں سفر کرتی ہوئی آج کے دور میں داخل ہو کر اپنی بقا کے لیے جو تگ ودو کر رہی ہے اس کا یہ تمام تاریخی سفر اور مختلف روپ جو معاشرے اور سماج نے اسے عطا کیے اور وہ اصل روپ جو حقیقت میں اس کا اپنا ہے جس تک رسائی کی کوشش کی جاتی رہی اور کی جارہی ہے۔۔۔ اسی روشنی میں ناول نگاروں نے اپنے اپنے عہد کی عورت کو پیش کرنے کی کوشش کی۔ " (26)

ناول کی فکری جہت میں عورت کی جدوجہد اور شعور کی نمائندگی ایک علامتی حیثیت بھی رکھتی ہے۔ مصنفہ نے دکھایا ہے کہ تاریخی بحران کے دوران عورت کی زندگی میں پیدا ہونے والی مشکلات، نفرتیں اور خوف محض ذاتی تجربات نہیں بلکہ ایک وسیع اجتماعی تجربہ ہیں۔ یہ تجربات نسل در نسل منتقل ہوتے ہیں اور عورتیں اس عمل کی نہ صرف گواہ بلکہ فعال شریک بھی ہوتی ہیں۔ اس تناظر میں نسائی شعور محض فردی فہم نہیں بلکہ اجتماعی شعور کا حصہ بن جاتا ہے جو مستقبل کی نسلوں کے لیے بھی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ اس طرح ناہید سلطان مرزا نے عورت کو تاریخی اور فکری پس منظر میں ایک زندہ، شعوری اور مؤثر کردار کے طور پر پیش کیا ہے۔

ناول میں نسائی شعور کی عکاسی کے لیے مصنفہ نے واقعاتی اور نفسیاتی تفصیل کو یکجا کیا ہے۔ مثال کے طور پر تقسیم کے دوران عورتیں اپنے خاندانوں کی حفاظت، اپنی عزت اور روزمرہ کے معمولات کے بیچ پھنس جاتی ہیں۔ اس دوران وہ اپنے جذبات اور خوف کے ساتھ بھی مسلسل جدوجہد کرتی ہیں اور اسی جدوجہد کے ذریعے وہ ایک نئی شناخت حاصل کرتی ہیں۔ یہ شناخت نہ صرف فرد کی سطح پر اہم ہے بلکہ معاشرتی سطح پر بھی اس کا اثر ہے کیوں عورت کے فیصلے اور رویے خاندان اور معاشرت میں تبدیلی کے لیے محرک ثابت ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر عقیلہ جاوید اس تناظر میں ڈپٹی نذیر احمد کے ناولوں میں بیان کردہ ان کی فکر کے متعلق یوں لکھتی ہیں:

> "متوسط طبقے کی تصویر کشی ان کے طبقاتی شعور کی بھی غمازی کرتی ہے لیکن ان کی اصلاحی کوششوں کا نصب العین بڑی حد تک اسی طبقے کی عورتوں کی اصلاح تھا کیوں کہ سوسائٹی کی تعمیر میں عورتوں کی اہمیت کا انہیں بخوبی احساس تھا۔"(27)

اسی طرح مصنفہ بھی اس ناول میں عورت کی جدوجہد کو نہ صرف ادبی اہمیت دیتی ہیں بلکہ فکری اور سماجی اہمیت بھی بخشتی ہیں۔ نسائی شعور کی عکاسی ہمیں یہ سمجھنے میں مدد دیتی ہے کہ تاریخی بحران اور انسانی المیے میں عورت کے کردار کو نظرانداز کرنا محض غیر حقیقت پسندانہ تصور ہوگا۔ ناہید سلطان مرزا کی تحریر میں یہ جدوجہد اور شعور تاریخی پس منظر، نفسیاتی پیچیدگی اور سماجی اثرات کے ساتھ مربوط ہیں۔ جو قاری کو عورت کی اہمیت، مظلومیت اور قوت کا احساس دلاتی ہیں۔ اس فکری جائزے کے تناظر میں، عورت صرف مظلوم نہیں بلکہ ایک فعال، شعوری اور تاریخی کردار ہے، جو نہ صرف اپنی زندگی بلکہ اپنے معاشرے اور نسل کی تقدیر پر اثرانداز ہوتی ہے۔

ناول تھر کی سرگوشی کے مرکزی کردار "رانی" کے ذریعے مصنفہ نے عورت کے اجتماعی وجود کی نمائندگی کی ہے۔ جو فرسودہ معاشرت نظام، مردانہ تسلط اور مذہبی تعصبات کے خلاف مزاحمت کی علامت بن کر ابھرتی ہے۔ رانی محض ایک عورت نہیں بلکہ ایک نظریہ ہے۔ ایسا نظریہ جو محبت، شناخت، عزت نفس اور آزادی کے لیے جان کی بازی لگا دیتا ہے۔ اس تناظر میں صغیر افراہیم یوں لکھتے ہیں:

> "ناول کے لاحقے میں بعض معاشرتی مقاصد بھی شامل ہو جاتے ہیں جیسے ملک کی تاریخ، حق وانصاف کی تحصیل، سماجی برائیوں کو منعکس کرنا، جنسی نفسیات کو اجاگر کرنا، رشتوں کا بننا، بگڑنا، اقدار کی شکست وریخت وغیرہ"۔(28)

اقدار کی شکست وریخت پر مبنی اس ناول میں بھی رانی اپنی بہن کی گمنام موت، ماں کے صدمے، بھائی کے ظلم اور سماج کی نفرت کو سہتے ہوئے نہ صرف زندہ رہتی ہے بلکہ اپنی تخلیقی صلاحیتوں کے ذریعے اپنی پہچان بھی منواتی ہے۔ چنبیلی جیسے کردار اس مزاحمتی بیانیے کو مزید تقویت دیتے ہیں۔ عورت کو روایتی منفی کردار سے ہٹا کر ایک فعال اور بیدار کردار کے طور پر پیش کرنا ناول کا ایک اہم فکری پہلو ہے۔ ڈاکٹر عقیلہ جاوید اس تناظر میں یوں لکھتی ہیں:

> "ہر ناول نگار کا عورت کے بارے میں اپنا ایک مخصوص اندازِ فکر ہے، جس کی بنا پر ناول میں عورت کے متنوع پیکر

اور تصورات سامنے آتے ہیں"۔(29)

یہ تصور کہ عورت صرف مظلوم نہیں بلکہ ایک مکمل انسان ہے۔ جو محبت بھی کر سکتی ہے۔ قربانی بھی دے سکتی ہے اور بغاوت بھی کر سکتی ہے، اس ناول کا بنیادی بیانیہ ہے۔ یہاں عورت کی خاموشی بھی احتجاج بن جاتی ہے اور اس کی خاموشی میں ایک چیخ کی گونج سنائی دیتی ہے۔

تھر کی سر گوشی میں ثقافت صرف ملبوسات، موسیقی یا رسم و رواج تک محدود نہیں بلکہ یہ عورت کی شعوری بیداری اور اس کے فن کا اظہار بھی ہے۔ رانی کا فن جسے ابتداء میں بے راہ روی سمجھا جاتا ہے۔ آخر کار اس کی شناخت بن جاتا ہے۔ اس کا ناچ اس کی پینٹنگ اور اس کی تخلیقی صلاحیتیں اس کی بقا کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ مصنفہ نے عورت کی جسمانی شناخت سے بڑھ کر اس کی تخلیقی، ذہنی اور روحانی شناخت کو اجاگر کیا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر آدم شیخ کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

> "ادب نے ہر دور اور ہر عہد میں تہذیب کی بدلتی ہوئی قدروں کا ساتھ دیا ہے۔ کسی بھی سماج اور معاشرے کو اپنی فطرت، مزاج، رسم و رواج اور طور طریقوں کے مظاہرے کے لیے ادب کا دست نگر ہونا ہی پڑتا ہے۔ ادب کا موضوع صرف انسان ہے اس لیے زندہ صرف وہی ہے جو سماج کو بدلنا چاہے اور انسانی بہبودی اور بہتری کے لیے کوشاں ہو"۔(30)

وہ عورت جو روایتی طور پر صرف بچے جننے والی اور خدمت گزار سمجھی جاتی ہے، مصنفہ نے اس ناول میں اسے ایک مصورہ، ایک متحرک قوت اور ایک زندہ علامت کے طور پر پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر آدم مزید کہتے ہیں کہ:

> "ناول کے موضوع کی وسعت انسانی زندگی سے کسی طرح کم نہیں۔ اس کا تعلق اپنے کرداروں کے فکر و عمل، ان کی انسانیت اور حیوانیت نیکی اور بدی سے ہے۔ ان کی نفسیات کی مختلف صورتیں اور حالات میں ان کا ارتقاء ناول کا خاص موضوع ہے"۔(31)

تھر کی خواتین کے رنگین لباس، زیورات اور بولیاں صرف ثقافتی مظاہر نہیں بلکہ ان کی فکری گہرائی اور جذباتی پہچان کا ذریعہ بھی ہیں۔ یہ جمالیات عورت کی زندگی میں رنگ بھرتی ہیں اور وہ اپنی شناخت کو ان رنگوں کے ذریعے ابھارتی ہے۔ ناول کا مرکزی کردار رانی، آخر کار ان تمام مظالم، رکاوٹوں اور ناکامیوں کے باوجود، کامیابی کی علامت بن کر ابھرتی ہے۔ وہ نہ صرف اپنی ذات کو دریافت کرتی ہے بلکہ اپنی شناخت کو عالمی سطح پر منواتی ہے۔ اس کا شوہر جو اس کی جدوجہد کا ہمسفر بنتا ہے، اسے مکمل انسان اور فنکارہ کے طور پر قبول کرتا ہے۔ یہ نقطہ مصنفہ کے اس تصور کی نمائندگی کرتا ہے کہ عورت اگر حوصلہ، صبر اور عزم کے ساتھ اپنی شناخت کی بازیافت میں لگ جائے تو وہ ہر اندھیرے کو شکست دے سکتی ہے۔ اس تناظر میں ڈاکٹر ایس۔ کے۔ جبیں یوں لکھتی ہیں:

"فکشن خصوصاً ناول نگاری کے سلسلے میں میرے مطالعہ نے مجھے یہ احساس دلایا کہ گرچہ مردوں کے مقابلے میں خواتین نے کچھ تاخیر سے اس میدان میں قدم رکھا ہے مگر جب سے وہ ناول لکھ رہی ہیں تب سے ان کی خدمات مردوں پہ بھاری رہی ہیں"۔(32)

ناول کا یہ انجام قاری کے لیے ایک امید کا پیغام ہے۔ عورت کو صرف قربانی کا استعارہ نہیں بلکہ ترقی اور خود شناسی کی علامت کے طور پر پیش کرنا۔ ناہید سلطان مرزا کی فکری بصیرت اور مثبت تخیل کا عکس ہے۔ ناول میں محبت، نفرت اور انتقام کے تعلقات کو سماجی اور ثقافتی تناظر میں بھی واضح کیا گیا ہے، تقسیم اور فسادات نے معاشرتی رشتوں، ثقافتی اقدار اور اخلاقی معیارات کو متاثر کیا، جس سے محبت، نفرت اور انتقام کے تعلقات مزید پیچیدہ ہوئے۔ تاریخی اور سماجی حالات انسانی جذبات اور اخلاقی فیصلوں پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ ناہید سلطان مرزا نے یہ واضح کیا ہے کہ محبت کی حقیقی قیمت، نفرت کے اثرات اور انتقام کے نتائج صرف تجربات اور مشاہدات سے سمجھے جا سکتے ہیں۔ انسانی جذبات اور تعلقات کی پیچیدگی کو سمجھنا، تاریخی اور سماجی اثرات کے تناظر میں ناگزیر ہے اور یہی ناول کا ایک نمایاں فکری سبق ہے۔

حوالہ جات

1. صغریٰ مہدی: "اردو ناولوں میں عورتوں کی سماجی حیثیت" سجاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، 2002ء، ص 143
2. ڈاکٹر شارقہ شفتین: "اردو ناول میں خواتین کے سماجی مسائل کی عکاسی" ارم پبلشنگ ہاؤس، پٹنہ، 2015ء، ص 35
3. ایضاً، ص 33
4. ڈاکٹر ایس۔ کے جبیں: "اردو ناول کی خواتین ناول نگار" ارم پبلشنگ ہاؤس، پٹنہ، 2009ء، ص 32
5. صغریٰ مہدی: "اردو ناولوں میں عورت کی سماجی حیثیت" ص 7
6. ایضاً، ص 7
7. قمر رئیس، علی احمد فاطمی (مرتبین): "ہم عصر اردو ناول ایک مطالعہ" نیو انڈیا آفسیٹ پرنٹرز، نئی دہلی، 2007ء، ص 14
8. ڈاکٹر اسلم آزاد: "اردو ناول آزادی کے بعد" نگار پبلشرز، پٹنہ، 1981ء، ص 11
9. نیلم فرزانہ: "اردو ادب کی اہم خواتین ناول نگار" ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، 1992ء، ص 15
10. ایضاً، ص 23-22
11. ڈاکٹر شارقہ شفتین: "اردو ناول میں خواتین کے سماجی مسائل کی عکاسی" ص 21
12. صغریٰ مہدی: "اردو ناولوں میں عورت کی سماجی حیثیت" ص 81-80
13. ڈاکٹر رقیہ بانو: "اردو ادب میں نسوانی کرداروں کا نفسیاتی اور سماجی جائزہ" انجمن تہذیب نو پبلیکیشنز، 2010ء، ص 104
14. ڈاکٹر عظمیٰ فرمان فاروقی: "اردو ادب میں نسائی تنقید" معید پبلیکیشنز، کراچی، 2010ء، ص 34

15. ایضاً، ص81
16. ایضاً، ص81
17. ڈاکٹر رقیہ بانو: "اردو ادب میں نسوانی کرداروں کا نفسیاتی اور سماجی جائزہ" ص9
18. ڈاکٹر محمد شاکر: "اردو میں تاریخی ناول نگاری" ص36-135
19. ڈاکٹر رقیہ بانو: "اردو ناول میں نسوانی کرداروں کا نفسیاتی اور سماجی جائزہ" ص20
20. ایضاً، ص30
21. فہمیدہ کبیر: "اردو ناول میں عورت کا تصور" مکتبہ جامعہ، نئی دہلی، 1992ء، ص64
22. ڈاکٹر عظمیٰ فرمان فاروقی: "اردو ادب میں نسائی تنقید" سعید پبلیکیشنز، کراچی، 2010ء، ص15
23. ایضاً، ص14
24. ایضاً، ص31
25. صغریٰ مہدی: "اردو ناول میں عورتوں کی سماجی حیثیت" ص66
26. ڈاکٹر عقیلہ جاوید: "اردو ناول میں تانیثیت" یوسف مرید پرنٹنگ پریس، ملتان، 2005ء، ص19
27. ایضاً، ص108
28. صغیر افراہیم: "اردو ناول تعریف تاریخ اور تجزیہ" براؤن بک پبلیکیشنز، دہلی، اشاعت سوم، 2020ء، ص7
29. ڈاکٹر عقیلہ جاوید: "اردو ناول میں تانیثیت" یوسف مرید پرنٹنگ پریس، ملتان، 2005ء، ص14
30. ڈاکٹر آدم شیخ: "مرزا سوا حیات اور ناول نگاری" نسیم بکڈپو، لکھنؤ، 1968ء، ص332
31. ڈاکٹر آدم شیخ: "اردو ناول نگاری" نسیم بک ڈپو" لکھنؤ، 1968ء، ص332
32. ڈاکٹر ایس کے جبیں: "اردو کی خواتین ناول نگار" ص14

Roman References

1. Mehdi, S. (2002). *Urdu novelon mein auraton ki samaji haisiyat*. Sajjad Publishing House, New Delhi. (p. 143).
2. Shaftain, S. (2015). *Urdu novel mein khawateen ke samaji masail ki akkasi*. Iram Publishing House, Patna. (p. 35).
3. Shaftain, S. (2015). *Urdu novel mein khawateen ke samaji masail ki akkasi*. (p. 33).
4. Jabeen, S. K. (2009). *Urdu novel ki khawateen novel nigar*. Iram Publishing House, Patna. (p. 32).
5. Mehdi, S. (2002). *Urdu novelon mein aurat ki samaji haisiyat*. (p. 7).
6. Mehdi, S. (2002). *Urdu novelon mein aurat ki samaji haisiyat*. (p. 7).

eISSN:3007-2085
pISSN:3007-2077

7. Raees, Q., & Fatimi, A. A. (Eds.). (2007). *Hum asr urdu novel ek mutala*. New India Offset Printers, New Delhi. (p. 14).
8. Azad, A. (1981). *Urdu novel azadi ke baad*. Nigar Publishers, Patna. (p. 11).
9. Farzana, N. (1992). *Urdu adab ki aham khawateen novel nigar*. Educational Book House, Aligarh. (p. 15).
10. Farzana, N. (1992). *Urdu adab ki aham khawateen novel nigar*. (pp. 22-23).
11. Shaftain, S. (2015). *Urdu novel mein khawateen ke samaji masail ki akkasi*. (p. 21).
12. Mehdi, S. (2002). *Urdu novelon mein aurat ki samaji haisiyat*. (pp. 80-81).
13. Bano, R. (2010). *Urdu adab mein niswani kirdaron ka nafsiyati aur samaji jaiza*. Anjuman Tehzeeb-e-Nau Publications. (p. 104).
14. Farooqi, U. F. (2010). *Urdu adab mein nisai tanqeed*. Mueed Publications, Karachi. (p. 34).
15. Farooqi, U. F. (2010). *Urdu adab mein nisai tanqeed*. (p. 81).
16. Farooqi, U. F. (2010). *Urdu adab mein nisai tanqeed*. (p. 81).
17. Bano, R. (2010). *Urdu adab mein niswani kirdaron ka nafsiyati aur samaji jaiza*. (p. 9).
18. Shakir, M. (n.d.). *Urdu mein tareekhi novel nigari*. (pp. 135-136).
19. Bano, R. (2010). *Urdu novel mein niswani kirdaron ka nafsiyati aur samaji jaiza*. (p. 20).
20. Bano, R. (2010). *Urdu novel mein niswani kirdaron ka nafsiyati aur samaji jaiza*. (p. 30).
21. Kabir, F. (1992). *Urdu novel mein aurat ka tasawwur*. Maktaba Jamia, New Delhi. (p. 64).
22. Farooqi, U. F. (2010). *Urdu adab mein nisai tanqeed*. Saeed Publications, Karachi. (p. 15).
23. Farooqi, U. F. (2010). *Urdu adab mein nisai tanqeed*. (p. 14).
24. Farooqi, U. F. (2010). *Urdu adab mein nisai tanqeed*. (p. 31).
25. Mehdi, S. (2002). *Urdu novel mein auraton ki samaji haisiyat*. (p. 66).
26. Javed, A. (2005). *Urdu novel mein taneesiyat*. Yousuf Mureed Printing Press, Multan. (p. 19).
27. Javed, A. (2005). *Urdu novel mein taneesiyat*. (p. 108).
28. Ephraim, S. (2020). *Urdu novel tareef tareekh aur tajziya* (3rd ed.). Brown Book Publications, Delhi. (p. 7).
29. Javed, A. (2005). *Urdu novel mein taneesiyat*. (p. 14).
30. Sheikh, A. (1968). *Mirza Ruswa hayat aur novel nigari*. Naseem Book Depot, Lucknow. (p. 332).
31. Sheikh, A. (1968). *Urdu novel nigari*. Naseem Book Depot, Lucknow. (p. 332).
32. Jabeen, S. K. (2009). *Urdu ki khawateen novel nigar*. (p. x).